اَمّان ذرا ذرا سی بات پر مارتی تھین - امّان چھوٹے بھیّا کو بہت چاہتی تھین - چھوٹے بھیّا کے لیے مینے بہت مار کھائی - مگر پھر بھی مجھے اوس سے انتہا کی محبت تھی - امّان کی ضد سے تو کبھی کبھی دو دو پہر تک مین نے گود مین نہین لیا - مگر جب اوسکی آنکھ اوجھل ہوی فوراً گلے سے لگا لیا - گود مین اوٹھا لیا پیار کر لیا - جب دیکھا امّان آتی ہین - جلدی سے اوتار دیا اب وہ رونے لگا - اِسپر امّان یہ سمجھتی تھین کہ مین نے رُلا دیا - لگین گھڑکیان دینے -

یہ سب کچھ تھا مگر جہان میری اُنگلی دُکھی اور امّان بے قرار ہو گئین - کھانے پینے کا ہوش نہین - راتون کو نیند حرام - کسی سے دوا پوچھتی ہین - کسی سے تعویذ منگاتی ہین -

میرے جہیز کے لیے اپنے ہاتھ گلے کا سب گہنا اوتار کے ابّا کے حوالے کیا - کہ اسمین تھوڑی چاندی ملوا کے پھر سے بنوا دو - دو ایک عدد جو ٹوٹے بنے ہوئے ہین انکو اُجلوا دو - گھر بھر کے برتنون سے دو چار رکھ لیے باقی نکال کے الگ کر دیے کہ انپر قلعی کرا دو - بلکہ ابّا نے کہا بھی کہ کچھ اپنے آئندہ کا بھی خیال رکھو - امّان نے کہا اوہ جی ہوگا ! تمھاری بہن زمیندار کی بیوی ہین وہ بھی تو جانین کہ بھائی نے لڑکی کو کچھ دیا - لاکھ تمھاری بہن ہین مگر سسرال کا نام بُرا ہوتا ہے - میری لڑکی ننگی بوچی جائیگی تو لوگ طعنے دینگے -

مرزا رسوا صاحب مین نے اپنے مان باپ کے گھر اور بچپن کی حالت کا پورا نقشہ آپ کے سامنے کھینچ دیا ہے - اب آپ سمجھ سکتے ہین کہ اگر مین اوس عالم مین رہتی تو خوش رہتی یا ناخوش - اِسے آپ خود قیاس کر سکتے ہین - میری عقل ناقص مین تو یہ آتا ہے کہ مین اسی حالت مین اچھی رہتی -

---

ابتدا آوارگی کی جوشِ وحشت کا سبب
ہم تو سمجھے ہین مگر ناصح کو سمجھائین گے کیا

مین نے اکثر لوگون کو کہتے سنا ہے کہ جو ذات کی رنڈیان ہین اونکا تو ذکر ہی کیا جو کچھ کرین کم ہے - کیونکہ وہ ایسے گھر اور ایسی حالت مین پیدا ہوتی ہین جہان سوائے بدکاری کے اور کسی چیز کا مذکور ہی نہین - مان بہن جسکو دیکھتے ہین اوسی حالت مین ہے - مگر یہ مان باپ کی بیٹیان جو اپنے گھرون سے نکل کے خراب ہو جاتی ہین اونکو وہان مارے جہان پانی نہ ملے -

میرا حال جتنا مین بیان کر چکی ہون اتنا ہی کہہ کے چھوڑ دون اور اسکے بعد یہ کہدون کہ بس اسکے بعد مین آوارہ ہو گئی اوس سے یہی خیال پیدا ہوگا کہ کمبخت اُود ماتی تھی شادی ہونے مین دیر ہوئی کسی سے آنکھ لگا کے نکل آئی۔ اوسنے چھوڑ دیا کسی اور سے آشنائی کی۔ اوس سے بھی نہ بنی۔ آخر رفتہ رفتہ یہی پیشہ ہو گیا۔ واقعی اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ مین نے اپنی زندگی مین بہت سی بہو بیٹیون کو خراب ہوتے دیکھا اور سُنا۔ اسکے سبب بھی کئی ہوتے ہین۔ ایک تو یہ کہ جوان ہو گئین ماں باپ شادی نہین کرتے۔ دوسرے یہ کہ شادی اپنی پسند سے نہین ہوتی۔ ماں باپ نے جہان پایا جھونک دیا۔ نہ سِن کا لحاظ کیا نہ صورت شکل دیکھی۔ نہ مزاج کا حال دریافت کیا۔ میان سے نہ بنی نکل کھڑی ہوئین۔ یا جوانی مین سر پر آسمان ٹوٹا رانڈ ہو گئین۔ صبر نہو سکا دوسرا کر لیا۔ یا بد صحبت ملی آوارہ ہو گئین۔ مگر مجھ نانصیب ناشدنی کو بخت و اتفاق نے مجبور کر کے ایسے جنگل مین چھوڑ دیا جہان سوائے گمراہی کے کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

دلاور خان جسکا مکان ہمارے مکان سے تھوڑی دور تھا۔ مُوا ڈکیتون سے ملا ہوا تھا۔ لکھنؤ مین برسون قید رہا۔ اُسی زمانے مین نہین معلوم کسکی سفارش سے چھوٹ آیا تھا۔ اَبا سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جب فیض آباد مین یہ گرفتار ہوا تو محلے سے اسکے چال چلن کی تحقیقات کے لئے لوگ طلب ہوئے۔ اونمین اَبا بھی تھے۔ اَبا بیچارے یون بھی دل کے سادے اور زبان کے سچے تھے۔ اوپر طرہ یہ ہوا کہ گرائی والے صاحب نے اون کے ہاتھ مین قرآن دے کے پوچھا۔ "دل جمعدار تم سچ سچ کہو یہ کیسا آدمی ہے" اَبا نے صاف صاف جو اُسکا حال تھا کہدیا۔ اِنھین کی گواہی پر دلاور خان قید ہو گیا۔ یہ حال مین نے اپنی ماں سے سُنا تھا۔ وہی کینہ اوسکے دل مین چلا آتا تھا۔ اب کی جب قید سے چھوٹ کے آیا تو اُسنے اَبا کی ضد پر کبوتر پالے۔ ایکدن اوسنے اَبا کا ایک کبوتر مارا۔ لینے کو گئے نہ دیا۔ اَبا چار آنے دیتے تھے۔ وہ آٹھ آنے مانگتا تھا۔ اَبا تو نوکری پر چلے گئے۔ جھٹ پٹے وقت خدا جانے مین گھر سے کیون نکلی تھی۔ دیکھتی کیا ہون۔ اِملی کے نیچے کھڑا ہوا ہے۔ کہنے لگا۔ چلو بیٹیا تمھارے اَبا پیسے دیتے گئے تھے کبوتر لے لو۔ مین اوسکے دم مین آگئی۔ ساتھ چلی گئی۔ جا کے جو دیکھتی ہون گھر مین کانی چڑیا نہین۔ اکیلا مکان پڑا ہے۔ اِدھر مین گھر مین داخل ہوئی اودھر اوسنے اندر سے کنڈی بند کر لی۔ چاہتی ہون

کہ چیخون کہ اوسنے مُنہ مین لوڑ ٹھونس دیا۔ میرے دونون ہاتھ رومال سے کس دیے۔

اِس مکان کا ایک دروازہ دوسری طرف تھا۔ مجھے زمین پر بٹھا کے آپ گیا وہ دروازہ کھولا اور پیر بخش کہہ کے آواز دی۔ پیر بخش اندر آیا۔ دونون نے مِل کے مجکو ایک بہل گاڑی پر سوار کیا۔ گاڑی چل نکلی۔ مین دم بخود رہگئی۔ تلے کی سانس تلے۔ اوپر کی اوپر۔ کرون کیا کوئی بس نہین۔ موذی کے جنگل مین ہون۔ دلاور خان بہل کے اندر مجکو گھٹنون کے نیچے دبائے ہوئے بیٹھا ہے۔ ہاتھ مین چھری ہے۔ مُوے کی آنکھون سے خون ٹپک رہا ہے۔ پیر بخش گاڑی ہانک رہا ہے۔ بیل ہین کہ اوڑے چلے جاتے ہین۔ تھوڑی دیر مین شام ہوگئی۔ چارون طرف اندھیرا چھا گیا۔ جاڑے کے دن تھے۔ سنّاٹے کی ہوا چل رہی تھی۔ سردی کے مارے میری بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ دم نکلا جاتا تھا۔ آنکھون سے باران جاری تھا۔ دل مین یہ خیال آتا ہے ہائے کس آفت مین پھنسی۔ ابّا نوکری پر سے آئے ہونگے۔ مجھے ڈھونڈھتے ہون گے۔ امان پیٹ رہی ہونگی۔ چھوٹا بھائی کھیل رہا ہوگا۔ اوسے کیا معلوم بہن کس آفت مین ہے۔

مان۔ باپ۔ بھائی۔ مکان کا دالان۔ انگنائی۔ باورچیخانہ۔ سب کچھ میری آنکھون کے سامنے تھا۔ یہ سب خیالات ایک طرف تھے اور جان کا خوف ایک طرف۔ دلاور خان گھڑی گھڑی چھری دکھاتا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب کوئی دم مین یہ چھری میرے کلیجے کے پار ہوگی۔ گوڑ اب میرے مُنہ مین نہ تھا۔ مگر مارے ڈر کے مُنہ سے آواز نہ نکلتی تھی۔ اُدھر میرا تو یہ حال تھا اودھر دلاور خان اور پیر بخش مین ہنس ہنس کے باتین ہو رہی تھین۔ میرے مان باپ پر اور مجھپر بات بات مین گالیان پڑتی جاتی تھین۔

دلاور خان۔ دیکھا بھائی پیر بخش۔ سپاہی کے پوت بارہ[۱۲] برس کے بعد اپنا بدلہ لیتے ہین۔ اب کیسا . . . . . تِلملاتا پھرتا ہوگا۔

پیر بخش۔ بھئی تمنے بیشک اِس مثل کو اصل کر دکھایا۔ بارہ برس تو ہوے ہونگے تمھین قید ہوے۔

دلاور خان۔ پورے بارہ برس ہوے۔ بھائی لکھنؤ مین کیا کیا مصیبتین اوٹھائی مین۔ خیر . . . وہ بھی تو کوئی دن کو یاد کرے گا۔ یہ تو میرا پہلا وار تھا۔ مین تو اوس . . . . کو جان سے ماروں گا۔

پیر بخش۔ کیا یہ بھی ارادہ ہے۔

دلاور خان۔ تُم سمجھتے کیا ہو۔ جان سے نہ مارا ہو تو پٹھان کا تخم نہین۔

پیر بخش۔ بھئی تم قول کے سچے ہو۔ جو کہو گے کر دکھاؤ گے۔

دلاور خان۔ دیکھنا۔

پیر بخش۔ اور اِسے کیا کرو گے۔

دلاور خان۔ کرین گے کیا۔ یہین کہین مار کے نالے مین توپ دو۔ راتون رات گھر چلے چلو۔

یہ بات سنکر مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ آنکھون مین آنسو تھم گئے۔ دل مین ایک دھچکا سا ہوتا تھا۔ منکا ڈھل گیا۔ ہاتھ پاؤن ڈال دیے۔ یہ حال دیکھ کے ابھی مُوئے کٹر کو ترس آیا۔ اور ایک گھونسا زور سے میرے کلیجے پر مارا کہ مین بلبلا گئی۔ قریب تھا کہ گر پڑون۔

پیر بخش۔ اِسے تو مار ڈالو گے اور ہمارا روپیہ۔

دلاور خان۔ گلے گلے پانی۔

پیر بخش۔ کہان سے دو گے۔ ہم تو تمھاری اور ہی سمجھے تھے۔

دلاور خان۔ گھر تو چلو۔ کہین سے نہ ہو سکے گا تو کبوتر بیچ کے دیدون گا۔

پیر بخش۔ تم تو بے عقل ہو۔ کبوتر کیون بیچو۔ ہم نہ ایک بات بتائین۔

دلاور خان۔ کہو۔

پیر بخش۔ ارمان لکھنؤ مین چل کے اِسی چھوکری کے کوڑے کرو۔

جب سے اپنے مرنے کا یقین ہو گیا تھا مجھے اِن دونون موذیون کی باتین کان سے اچھی طرح سُنائی نہ دیتی تھین۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی خواب مین باتین کر رہا ہے۔ پیر بخش کی یہ بات سُنکے میرے دل کو پھر اپنی زندگی کا کچھ آسرا بندھا۔ دل ہی دل مین پیر بخش کو دعائین دینے لگی۔ مگر اب یہ انتظار ہے کہ دیکھون یہ موذی کیا کہتا ہے۔

دلاور خان۔ اچھا دیکھا جائے گا۔ ابھی تو چلے چلو۔

پیر بخش۔ یہان ذرا ٹھہر نہ جائین وہ سامنے درخت کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ تھوڑی سی آگ لے آئین تو حقہ بھرین۔

پیر بخش تو آگ لینے گیا۔ مجھے پھر یہ خوف پیدا ہوا۔ کہین پیر بخش کے آتے آتے یہ میرا کام نہ تمام کر دے۔ جان کا خوف بُرا ہوتا ہے۔ اکبارگی زور سے چیخ ماری۔ چیخ کا مارنا تھا کہ دلاور خان

نے دو تین طمانچے میرے مُنہ پر کَس کَس کے لگائے۔ حرامزادی چُپ نہین رہتی۔ ابھی چھری بھونک دونگا۔۔۔ ۔ ۔ نیل کرتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پیر بخش (ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہوگا) نہین بھئی نہین۔ ایسا کام نہ کرنا۔ تمھین ہمارے سر کی قسم۔ اَرمان ہمین تو آ لینے دو۔

دلاور خان۔ اچھا جاؤ آگ لے آؤ۔

پیر بخش گیا اور تھوڑی دیر کے بعد آگ لے کے آیا۔ حقہ بھرا۔ دلاور خان کو دیا۔

دلاور خان۔ (ایک کش حقّے کا پی کے) تو یہ کِتنے تک بِکجائیگی؟ اور بیچے گا کون؟ ایسا نہو کہین پکڑے جائین تو اور مشکل ہو۔

پیر بخش۔ اِسکا ہمارا ذمّہ۔ ہم تو بیچ دینگے۔ ارے میان تمھاری باتین۔ پکڑے گا کون۔ لکھنؤ مین ایسے معاملے دن رات ہوا کرتے ہین۔ ہمارے سالے کو جانتے ہو؟۔

دلاور خان۔ کریم۔

پیر بخش۔ ہان۔ اوسکی روٹی اِسی پر ہے۔ بیسیون لڑکے لڑکیان پکڑے گیا۔ لکھنؤ مین جاکے دام کھرے کر لیئے۔

دلاور خان۔ آج کل کہان ہے۔

پیر بخش۔ کہان ہے ؟ لکھنؤ مین ہوگا۔ گومتی اسپار اوسکی سسرال ہے۔ وہین ہوگا۔

دلاور خان۔ بھلا لڑکا لڑکی کتنے کو بِکتے ہین؟

پیر بخش۔ جیسی صورت ہوئی۔

دلاور خان۔ بھلا یہ کتنے کو بک جائیگی۔

پیر بخش۔ سو ڈیڑھ سو۔ جیسی تمھاری تقدیر ہوئی۔

دلاور خان۔ بھائی کی باتین۔ سو ڈیڑھ سو۔ اسکی صورت ہی کیا ہے۔ سو بھی ملین تو بہت ہے۔

پیر بخش۔ اَچھّا اِس سے کیا ہے۔ لے تو چلو۔ مار ڈالنے سے کیا فائدہ۔

اسکے بعد دلاور خان نے پیر بخش کے کان مین کچھ جھک کے کہا جسکو مین نے نہین سنا۔ پیر بخش نے جواب دیا۔ وہ تو ہم سمجھے ہی تھے۔ تم کیا ایسے بیوقوف ہو! رات بھر گاڑی چلا کی۔ میری جان سانسے مین تھی۔ موت آنکھون کے سامنے

پھر رہی تھی۔ رقت سلب ہو گئی تھی۔ بدن سُن ہو گیا تھا۔ آپ نے سُنا ہو گا کہ نیند سولی پر بھی آتی ہے۔ تھوڑی دیر مین آنکھ لگ گئی۔ ترس خدا کرکے پیر بخش نے بیلون کا کمل اوڑھا دیا۔ رات کو کئی مرتبہ چونک پڑی۔ آنکھ کھل جاتی تھی۔ مگر ڈر کے مارے چُپکی پڑی تھی۔ آخر ایک مرتبہ ڈرتے ڈرتے مُنہ پر سے کملی سرکا کے جو دیکھا معلوم ہوا مین گاڑی مین اکیلی ہون۔ پردے سے جھانک کے دیکھا۔ سامنے کچھ کچے کچے مکان ہین۔ ایک بنیئے کی دوکان ہے۔ دلاور خان اور پیر بخش دونون کچھ خرید رہے ہین۔ بیل سامنے برگد کے درخت کے نیچے بھوسہ کھا رہے ہین۔ دو تین گنوار الاؤ کے پاس بیٹھے ہوئے تاپ رہے ہین۔ ایک چلم پی رہا ہے۔ اتنی دیر مین پیر بخش نے گاڑی کے پاس آکے تھوڑے سے بھُنے ہوے چنے مجکو دیئے۔ مین رات بھر کی بھوکی تھی۔ کھانے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک لوٹا پانی لاکے دیا۔ مین نے تھوڑا سا پیا۔ پھر چُپکی ہو کے پڑ رہی۔

بڑی دیر تک گاڑی یہان ٹھہری رہی۔ پھر پیر بخش نے بیل جوتے۔ دلاور خان حقہ بھر کے میرے پاس آ بیٹھا۔ گاڑی روانہ ہوی۔ آج دن کو مجھپر زیادہ سختی نہین ہوئی نہ دلاور خان کی چھُری نکلی نہ مجھپر گھونسے پڑے نہ گھُرکیان۔ دلاور خان اور پیر بخش دونون جگہہ جگہہ پر حقے بھر بھر کے پیتے تھے۔ باتین ہوتی جاتی تھین۔ جب باتین کرتے کرتے تھک گئے۔ کچھ گانے لگے۔ ایک گاتا ہے۔ دوسرا چُپکا سُن رہا ہے۔ سُن کیا رہا ہے سوچ رہا ہے کہ اب کیا بات نکالون۔ پھر کوئی بات نکل آئی۔ اس گفتگو مین اکثر ایسا بھی ہوا کہ آپس مین گالی گلوج ہونے لگی۔ آستینین چڑھگئین۔ کمرین کسی جانے لگین۔ ایک گاڑی پر سے کودا پڑتا ہے۔ دوسرا وہین گلا گھونٹنے کو تیار ہے۔ پھر کسی بات پر دونون ڈھیلے پڑ گئے۔ بات رفت گذشت ہوئی۔ پھر ملاپ ہوا۔ دوستی کی باتین ہونے لگین۔ گویا کبھی لڑے ہی نہ تھے۔

ایک۔ ہمارے تمھارے لڑائی ہی کیا۔ بات کی بات تھی۔

دوسرا۔ بات ہی کیا تھی۔

پہلا۔ اچھا تو پھر اوس بات کو جانے دو۔

دوسرا۔ جانے دو۔